© rasailojaraid.com

فکر و نظر............ اسلام آباد　　جلد: ۴۶　　شمارہ: ۴

ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی اردو تحریریں اور تراجم
(ایک جائزہ)

نوین حیدر☆

Abstract:

Dr. Fazlur Rahman, a controversial intellectual, on one hand, is criticized severely for his close association with General Ayub Khan during 1960s and on the other hand he is highly praised for his deep and thorough scholarship and contribution to Islamic thought, which is accessable to the scholars through his English writings. However, most Scholars remain unaware of Fazlur Rahman's work available in Urdu because of the language barrier as well as other factors. Fazlur Rahaman while being a leading scholar associated with Islamic Research Institute regularly contributed articles in the Institute's Urdu Journal Fikr-o-Nazar.Moreover, under Fazlur Rahman's own supervision some scholars had translated some of his highly academic and technically difficult works into Urdu; these are all preserved in the pages of Fikr-o-Nazar. Some Urdu translations, though of not very high quality, of his English works are also current. This paper is an attempt to introduce Fazlur Rahman's original Urdu writings as well as his works translated in Urdu for the benefit of researchers and scholars.

☆☆☆☆☆

جب میں نے ڈاکٹر فضل الرحمٰن (1919-1988)، جو کہ اسلامی جدیدیت پسندوں میں اہم نام رکھتے ہیں، کی فکری جدیدیت کے تنقیدی جائزے پر پی۔ایچ۔ڈی کے مقالے کی تحقیق کے سلسلے میں ان کی تحریروں کی تلاش و جمع آوری کا آغاز کیا، تو مجھے یہ جان کر بڑی حیرت ہوئی کہ ادارہ تحقیقات اسلامی کے ماہنامہ جریدے فکرونظر میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے کئی ایسے اردو مضامین ہیں جو ان

☆ پاکستان اسٹڈی سنٹر، کراچی یونیورسٹی، کراچی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے انگریزی سے ترجمہ شدہ مضامین کے علاوہ ہیں۔ جبکہ اپنی اس وقت تک کی تحقیقات کے مطابق خیال یہی تھا کہ انہوں نے جو بھی اور جتنا بھی لکھا ہے صرف انگریزی میں لکھا ہے لیکن اکثر مضامین اردو سمیت دیگر کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکے ہیں۔

اس ضمن میں جب بعض معزز اساتذہ سے گفتگو ہوئی تو فضل الرحمٰن کی اردو تحریروں سے متعلق مختلف نقطہ ہائے نظر سامنے آئے۔ بعض کو ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی اردو تحریروں کے بارے میں پتہ چلنے پر خوشگوار حیرت ہوئی، کیونکہ وہ فضل الرحمٰن کی فکر کو ان کی صرف انگریزی کی تحریروں کے حوالے سے جانتے تھے۔ جبکہ دوسرے حلقہ کی رائے یہ تھی کہ ان کے لیے اردو میں لکھنا ہی مشکل تھا اور یہ مضامین جن کو میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی ذاتی اردو تحریریں سمجھ رہی ہوں وہ دراصل ان کی تحریریں نہیں ہیں۔ تاہم داخلی شواہد اس بات کی چغلی کھاتے تھے کہ یہ تحریریں ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے قلم سے نکلیں یا تحریر ہوئیں۔ ان شواہد کو مدنظر رکھتے ہوئے مزید تحقیق کے سلسلے میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن کو قریب سے جاننے والے اپنے اساتذہ سے رجوع کیا تو ان صاحبان نے اس بات کو یکسر مسترد کر دیا کہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن اردو میں مضامین نہیں لکھ سکتے تھے بلکہ ان کی دلیل یہ تھی کہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی بنیادی تعلیم اردو ہی میں ہوئی تھی اور انہیں اس پر دسترس تھی۔ اس کے علاوہ یہ کہ وہ کسی اور کی تحریروں کو اپنے نام سے منسوب کروا کر چھپوائیں ایسا قرین قیاس نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ممکن تھا کہ علماء کی جانب سے مختلف اعتراضات کے جواب میں انہوں نے اپنے رفقاء کار سے مضامین لکھوائے۔ مگر ممکن نہیں کہ انہوں نے شائع کرنے سے پہلے انہیں پڑھا نہ ہو اور ان پر صاد نہ کیا ہو۔ اس لیے یہ انہی کی اردو تحریریں ہیں۔

متذکرہ آراء سے ہٹ کر درج ذیل شواہد کی بنیاد پر میں ان اردو مضامین کو فضل الرحمٰن کی تحریریں تسلیم کرتی ہوں۔

۱۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ فکر ونظر کے مضامین ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے پہلے اردو مضامین نہیں تھے بلکہ کئی سال پہلے انہوں نے جریدہ چراغ راہ کے لیے بھی کینیڈا سے ایک مضمون اردو میں تحریر کر کے بھیجا تھا۔

۲۔ یہ بات اب واضح ہے کہ ایوب خان کے دور میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن ایک مقصد کے تحت پاکستان لوٹے تھے اور وہ مقصد پاکستان کو ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی اپنی رائے کے مطابق جدید اسلامی خطوط پر استوار اور گامزن کرنا تھا۔ چنانچہ ان کے لیے یہ ضروری رہا ہوگا کہ وہ پاکستان کے معاشرے کی عام بول چال کی زبان میں، جو علماء کے لیے بھی قابل فہم ہو، اپنی فکر کا اظہار کریں اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فکرونظر میں ان کے مضامین کے موضوعات بھی اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ اس وقت کے پاکستان کی ضرورت کے مطابق وہ مضامین تحریر کیے گئے۔ اس سلسلے میں پاکستان میں موجود مفکرین اور علماء کے طبقے سے ان کی زبانی اور تحریری بحث و نزاع بھی رہی۔

۳۔ ان کے اردو مضامین کی فکری نہج اور طرز استدلال بھی وہی ہے جو کہ ان کی انگریزی تحریروں میں ملتا ہے اور یہ نہ صرف ان کی فکر کا خاصہ ہیں بلکہ انہیں دیگر مسلم، خاص طور پر پاکستانی، مفکرین سے نمایاں کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر قرآن کی توجیہہ نو اور سنت و حدیث کے اسلامی قانون کے مآخذ ہونے سے متعلق ان کی آراء وغیرہ۔ اور یوں بھی یہ بات قرین قیاس نہیں لگتی کہ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی سے منسلک ریسرچ اسکالرز کی اپنی آراء بھی بعینہٖ وہی ہوں گی جو متذکرہ اور دیگر مسائل میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی تھیں۔ اور یہ بات بھی غالباً ان کی شان سے فروتر ہوگی کہ وہ کسی مسئلے میں اپنی رائے رکھتے ہوئے بھی ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی آراء کو اپناتے ہوئے ان کی حمایت میں مضامین لکھیں۔

۴۔ ان کی اردو تحریروں میں نظر آنے والا جوش اور جذباتیت ایک ایسے شخص کی جذباتیت اور اس کا جوش و جذبہ تھا جو اپنے مقصد کے حصول کی لگن میں ہو۔ وہ کبھی علماء کے کٹر رویے پر مایوس ہوتے ہوئے اور ان پر کڑی تنقید کرتے ہوئے نظر آتے ہیں تو دوسری جانب عوام کی سادہ لوحی اور کم عقلی پر ماتم کرتے ہوئے۔

۵۔ ان تمام شواہد سے بڑھ کر یہ بھی کہ اس وقت کے پاکستانی حالات جن میں ان کا اپنا ایک کلیدی کردار تھا اور ان کی آراء معانی رکھتی تھیں اور دوستوں اور دشمنوں کی نگاہ ان پر جمی ہوئی تھی یہ بات قدرے حیران کن محسوس ہوتی ہے کہ ایسی سنجیدہ صورت حال میں وہ اتنی غیر سنجیدگی کا مظاہرہ کریں کہ اپنے نام سے کسی اور کی تحریروں کو چھپوا دیں۔ تاہم اس زاویے سے ضرور سوچا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ اتنے اہم ادارے کے ڈائریکٹر اور اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر ہونے کی وجہ سے اپنی ہمہ وقتی مصروفیات کے سبب ان کے پاس وقت کی قلت ہو اور وہ اپنے کسی نائب یا ادارے کے کسی محقق کے سپرد یہ کام کر دیں کہ ان کے دیے گئے نکات (Points) کو ایک مضمون کی شکل دے دی جائے۔ جن کو نظر ثانی کے بعد ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب چھپوائیں۔ گویا بفرضِ محال، اگر ان مضامین کی تحریر لفظاً لفظاً ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی نہ ہو، تب بھی ان کے مشمولات ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی اپنی فکر کے آئینہ دار قرار پائیں گے۔

۶۔ ایک آخری ممکنہ صورت یہ بھی ذہن میں آئی کہ ہو سکتا ہے ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے یہ مضامین قلم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بند کرنے کے بعد اپنے بعض ایسے اہل زبان یا اردو دان رفقاء کو بغرض اصلاح زبان و بیان یا املاء و انشاء دیے ہوں جن کی تحقیق و تحریر کی بنیادی زبان ہی اردو تھی، مثلاً مظہر الدین صدیقی، محمد سرور، علی رضا نقوی اور ابتداء محمد خالد مسعود۔

ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا نام اسلامی مطالعات، خصوصاً اسلام کی فکری تاریخ اور اسلامی جدیدیت کے حوالے سے علمی حلقوں میں کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ لیکن بدقسمتی سے بعض وجوہ کی بناء پر ان کو پاکستان میں وہ پذیرائی حاصل نہ ہوسکی جس کے وہ مستحق تھے۔ ان کے مداحوں کا ایک مختصر سا حلقہ جو پاکستان میں موجود ہے وہ بھی ان اعلیٰ تعلیم یافتہ جدیدیت پرستوں کا ہے جو ان کو ان کی انگریزی تحریروں کے حوالے سے جانتے ہیں، بلکہ ان کی انگریزی تحریروں کی زبان و بیان کے گرویدہ ہیں۔ تاہم یہ بھی کہا گیا کہ چونکہ ان کا میدانِ تحقیق بنیادی طور پر فکر و فلسفہ ہے لہٰذا ان کی تحریریں بڑی گنجلک اور خشک ہیں اور ان کا سمجھنا کچھ آسان نہیں ہے۔ دوسری طرف اگر پاکستان کے مذہبی علماء کے حلقے میں ان کی شخصیت اور ان کی فکری روش کی کوئی یاد ان چالس برسوں(۱) کے طویل عرصے کے بعد باقی رہ گئی ہے تو وہ ان کی مشہور اور متنازعہ کتاب اسلام کے ابواب کے ان اردو تراجم کے حوالے سے ہے جو ۱۹۶۷-۱۹۶۸ء کے دوران *فکرونظر* میں شائع ہوئے۔

اس مقالے کا بنیادی مقصد ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی اردو تحریروں کا ایک جائزہ پیش کرنا ہے۔ کیونکہ ہماری نظروں سے اب تک کوئی ایسی تحریر نہیں گزری جس میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی ان تحریروں سے بحث کی گئی ہو۔ اور اس سے بھی اہم تر یہ پہلو ہے کہ ان تحریروں کے مطالعہ کے بغیر ان کی فکر کے بعض اہم گوشے تاریکی میں رہ جاتے ہیں۔

یہ مقالہ تین حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ اردو زبان کے بارے میں فضل الرحمٰن کے خیالات کا احاطہ کرتا ہے۔ دوسرا ان کی اردو تحریروں کے جائزے پر مشتمل ہے۔ جبکہ تیسرے حصے میں ان کی تحریروں کے اردو تراجم کے حوالے سے اظہار خیال کیا گیا ہے۔

اگر ہم اردو زبان سے متعلق ان کے خیالات سے بحث کا آغاز کریں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے اس نقطہ نگاہ اور اصرار کے پیچھے کہ اردو پاکستان کی قومی زبان ہو(۲) ان کے کوئی براہ راست سیاسی مقاصد کارفرما نہیں تھے، اور وہ بڑی دیانت داری کے ساتھ اس خیال کے حامی تھے کہ پاکستان میں انگریزی کے علاوہ کم ازکم ایک مقامی زبان کو فروغ حاصل ہو۔ البتہ یہ ایک اتفاق ہے کہ یہ بات اس وقت کی پاکستانی سرکار کے مفاد میں بھی جاتی تھی کیونکہ جنرل ایوب خان کی فوجی حکومت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مشرقی پاکستان کی سیاسی قوت کو کم کرنے کے لیے ''ون یونٹ'' کے نظام کے ساتھ ساتھ اردو کے قومی زبان قرار دیے جانے کا نعرہ بھی بلند کر رہی تھی۔

اگر زبان کے بارے میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے بنیادی نقطہ نگاہ کا تجزیہ کیا جائے تو یہ بات بہت واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ ان کے نزدیک فکرِ خالص ذہن میں تنہا جنم نہیں لیتی بلکہ اس کے ساتھ الفاظ بھی جڑے ہوتے ہیں۔ اور اگر کوئی زبان اپنے الفاظ کے ذخیرے سے مالامال نہ ہو تو اس زبان میں نئے خیالات اور فکرِ خالص کا جنم لینا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ نتیجۃً ایسے ممالک جن کی ایک ترقی یافتہ قومی زبان نہ ہو ان کا تعلیم و تحقیق کا معیار نہایت پست رہ جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی فکر کا ایک بنیادی امتیاز اور اصلاحی کوششوں کا بنیادی مقصد اسلامی ممالک میں اعلیٰ تعلیم کا فروغ بھی ہے۔(۳) بلکہ وہ مسلم ممالک کی موجودہ معاشی، سماجی اور سیاسی خراب صورتحال کا ذمہ دار ان کے نظام تعلیم کو سمجھتے ہیں۔ اس سلسلے میں پاکستان میں نظام تعلیم پر تبصرہ کرتے ہوئے وہ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں۔

> ہمارا موجودہ نظام تعلیم اور ملک میں دی جانے والی تعلیم بدقسمتی سے کم و بیش تمام برائیوں اور منفی عوامل کا شکار ہے جو اس میدانِ زندگی پر اثر انداز ہوسکتے ہیں۔(۴)

وہ مزید کہتے ہیں کہ

> ''نہ تو تقسیم سے پہلے اور نہ ہی تقسیم کے بعد کی ایک دھائی سے زیادہ کے عرصے میں مسلمانوں نے اسلام پر تخلیقی محققین اور مفکرین کی تربیت کے لیے مناسب و موافق حالات پیدا کیے۔''(۵)

ڈاکٹر فضل الرحمٰن کہتے ہیں کہ ان بُرے اور منفی عوامل میں نمایاں ترین ایک تو یہ ہے کہ مجموعی طور پر ہماری قوم تعلیم کی اہمیت کی جانب ایک لاتعلقی اور سرد مہری کا رویہ رکھتی ہے۔ دوسرے یہ کہ ہمارا نظام تعلیم دہرے معیار کا شکار ہے اور یہ تقسیم جدید نظام تعلیم اور مدرسوں کے نظام تعلیم کی وجہ سے ہے، جو عملی سطح پر ایک ہی معاشرے میں دو طبقات کو جنم دے رہی ہے۔ برائیوں کی اس فہرست میں زبان کے مسئلے کا اضافہ کرتے ہوئے وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ''جہاں تک اعلیٰ تعلیم اور فکر کا تعلق ہے ہم ایک بے زبان قوم ہیں۔''(۶) اس وقت زبان کے مسئلہ پر ہونے والی بحث اور اس مسئلے کی سیاسی نوعیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے وہ زور دیتے ہیں کہ:

> زبان کے تنازعہ کو سیاسی جذباتیت سے الگ کرنا چاہیے۔ ہم کو چاہیے کہ اس وقت کسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

> ایک زبان کو مناسب طریقے سے اور فوری طور پر ترقی دیں۔ کیونکہ وقت ہمارے ہاتھوں سے چھوٹا جا رہا ہے۔ ترقی پسند دنیا ہمارا انتظار نہیں کرے گی اور نہ ہی اس کے پاس اس امر کا کوئی خاص جواز ہے کہ وہ ہماری خودکشی پر مائل ناکامیوں پر ترس کھائے۔(۷)

پاکستان کے حوالے سے کسی ایک قومی زبان پر اتفاق اور اس کی مناسب نشوونما کی ضرورت کی ایک اور وجہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے نزدیک یہ بھی ہے کہ ''بحثیت ایک قوم کے ہماری بقا کا مقصد بھی اس بات کا متقاضی ہے کہ ہماری ایک [قومی] زبان ہو۔''(۸)

اس بات کی نشاندہی کرنے کے بعد کہ علم میں حقیقی فکری اضافے اور بحثیت ایک قوم کے متحد ہونے کے لیے کسی ایک زبان پر متفق ہونا کتنا ضروری ہے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ زبان کونسی ہوگی۔ جہاں تک انگریزی کا تعلق ہے بقول ڈاکٹر فضل الرحمٰن:

> سچ تو یہ ہے کہ جو بھی قابل ذکر فکری کام ہم کرتے ہیں وہ انگریزی میں ہوتا ہے تاہم بحثیت قوم انگریزی ہمارے لیے ایک بیگانی زبان ہی رہتی ہے۔(۹)

ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور اُردو:

اس بیان میں انگریزی زبان کی اہمیت کو تسلیم کرنے کے باوجود ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا یہ اعتراف بھی حق بجانب ہے کہ بحثیت قوم یہ زبان ہمارے لئے ایک اجنبی اور بیگانی زبان ہی رہتی ہے۔ اب اس بیان کی روشنی میں ہمارے پاس دو بڑی مقامی زبانیں(۱۰) اردو اور بنگالی رہ جاتی ہیں۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن تسلیم کرتے ہیں کہ دونوں ہی زبانوں کے پاس اپنی تاریخ اور اپنا ادبی ورثہ ہے۔(۱۱) اور دونوں ہی میں نشوونما کی یکساں استعداد موجود ہے مگر اردو کو جو ایک اضافی سبقت حاصل ہے وہ یہ ہے کہ یہ 'ہمارے روایتی ماضی سے مضبوطی سے جڑی ہوئی ہے۔'(۱۲)

ڈاکٹر فضل الرحمٰن اپنے ایک اردو مضمون ''اردو کا اسلامی ادب'' میں اردو کے ساتھ ہمارے روایتی ماضی کے رابطے کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں:

> اردو نہ صرف عربی اور فارسی سے بہت متأثر ہے بلکہ یہ برصغیر پاک وہند میں مسلمانوں کے ثقافتی ماحول میں پروان چڑھی اس لیے ان خالص معنوں میں یہ ایک اسلامی زبان ہے۔(۱۳)

مندرجہ بالا دونوں اقتباسات پر غور کریں تو اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن مسلمانوں کے حوالے سے برصغیر پاک وہند کو صرف شمالی ہند تک ہی محدود کررہے ہیں۔ کیونکہ یہی وہ علاقہ ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جہاں درحقیقت اردو کو فروغ حاصل ہوا، مسلم صوفیہ نے مقامی زبانوں کی آمیزش سے جو اسلامی ادب تشکیل دیا، مثلاً پنجابی، سندھی اور دوسری علاقائی زبانوں میں، وہ اسے یکسر نظر انداز کرتے ہیں۔

زیر بحث مضمون کی اصل بحث بطور سنجیدہ فکری تحقیقی زبان کے اردو کی صلاحیت سے ہے۔ اردو زبان کے تاریخی ارتقاء کا جائزہ لیتے ہوئے وہ بیان کرتے ہیں کہ 'اردو کا ابتدائی ادب اساسی طور پر شاعری تک محدود ہے'۔(۱۴) مگر وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ:

> یہ ایک حقیقت ہے کہ محض شاعری کی زبان پوری طرح دینی موضوعات کا ذریعہ اظہار نہیں بن سکتی کیونکہ دین کے بعض اہم فکری اور علمی تقاضے ہیں، جو خاص طور پر ترقی یافتہ نثر کا مطالبہ کرتے ہیں اور وہ محض احساسات کی زبان اور منتشر خیالات کی زبان [شاعری] میں پورے نہیں ہو سکتے۔(۱۵)

اردو میں اس قسم کی ترقی یافتہ نثر کے بانی یقیناً سرسید قرار دیے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن کو اس سلسلے میں اعتراف ہے کہ:

> اردو منظم فکر کا ذریعہ اظہار صحیح معنوں میں اس وقت بنی جب سر سید احمد خان اور ان کے ساتھیوں نے اس سے ایک دینی علمی تحریک کی خدمت کا کام لینا شروع کیا۔ سر سید اور حالی نے اردو زبان کو سلاست بخشی اور شوکت الفاظ پر زور دینے کے بجائے اسے معنی کے اظہار کا ذریعہ بنایا اور اس میں بلند، لطیف اور پیچیدہ خیالات پیش کیے۔(۱۶)

ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا خیال ہے کہ:

> شبلی وہ بزرگ ہیں جن کے قلم گوہر بار نے واقعی اردو کا دامن موتیوں سے بھر دیا۔ اسلامی علمِ کلام کے صحیح ارتقاء کی روشنی میں انہوں نے ایک جدید علمِ کلام کی بنیاد ڈالنے کی کوشش بھی کی۔(۱۷)

لیکن ڈاکٹر فضل الرحمٰن کو اس بات کا افسوس ہے کہ 'اس سلسلے میں سر سید احمد خان اور شبلی کی کوششیں بہت حد تک ان کے ساتھ ہی ختم ہوگئیں'۔(۱۸) تاریخ نویسی میں شبلی کی خدمات کو ڈاکٹر فضل الرحمٰن اگرچہ بہت سراہتے ہیں اور ان کی سیرت نبویؐ اور سوانح و سِیَر پر دیگر تصانیف کو اردو کے کلاسیکی ادب کا مرتبہ عطا کرتے ہیں مگر وہ اس حقیقت کا بھی اعتراف کرتے ہیں کہ:

> تاریخ صرف سوانح و سِیَر کا نام نہیں ہے اور نہ صرف واقعات بیان کر دینا ہی تاریخ، بلکہ تاریخ عبارت ہے ایک قوم یا امت کے عروج و انحطاط کی منظم اور معقول شرح وبیان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

> ہے۔ یہاں ''معقول'' سے مراد یہ ہے کہ ظاہری واقعات کے پس پشت، جنہیں ہمارے مورخ بیان کرتے ہیں، جو دینی، سماجی و اقتصادی قوتیں ایک معاشرے میں کارفرما ہوتی ہیں ان کے آپس میں عمل اور تعامل کا پورا جائزہ لیا جائے۔(۱۹)

لیکن ڈاکٹر فضل الرحمٰن کو ملال ہے کہ تاریخ نویسی کے مندرجہ بالا معیار پر پورا اترنے والا کوئی کام اردو میں اس وقت تک ان کی نظروں سے نہیں گزرا۔(۲۰)

خالص فکر کے حوالے سے ہندوستانی مسلمانوں میں اگلا نام اقبال کا آتا ہے۔ حقیقی اور خالص اسلامی فکر کے حوالے سے ڈاکٹر فضل الرحمٰن علامہ اقبال کے بہت گرویدہ ہیں۔(۲۱) چنانچہ ان کا بیان ہے کہ 'دورِ حاضر کے سب سے بڑے اسلامی مفکر علامہ اقبال ہیں'۔(۲۲) اقبال کی فکر کے اظہار کے ذرائع کا ذکر کرتے ہوئے فضل الرحمٰن فیصلہ دیتے ہیں کہ:

> ان کے نتائجِ فکر و ذہن کا سب سے زیادہ مؤثر اور تاریخ آفریں پہلو ان کی شاعری ہے لیکن جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں شعر کو فکرِ خالص کے لیے کبھی واضح ذریعہ نہیں بنایا جا سکتا۔(۲۳)

ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ فکرِ خالص کے اظہار کے لیے ڈاکٹر فضل الرحمٰن نثر کو ضروری سمجھتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کو جو ایک بڑی شکایت اقبال سے تھی(۲۴) اور جو کبھی نہ دور ہو پائی وہ یہ کہ:

> اقبال نے اپنے منظّم اور خالص فکر کے لیے اردو کو نہیں بلکہ انگریزی زبان کو اپنا ذریعہ اظہار بنایا۔ اس لیے ان کے منظّم اور حیاتیاتی (Organic) فکر کی جلیل القدر کتاب انگریزی میں ہے۔(۲۵)

لیکن ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا اصرار ہے کہ 'آج ضرورت اس بات کی ہے کہ فکرِ خالص کی زبان اردو کو بنایا جائے اور اس میں تخلیقی تصانیف ہوں'۔(۲۶) ان کے یہ جملے منطقی طور پر ہمیں اس سوال کی جانب لے جاتے ہیں کہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے اس سلسلے میں خود کیا کردار ادا کیا۔ اس ضمن میں سب سے پہلے ان اسباب و عوامل کا ایک جائزہ لینا ہو گا کہ جن کی بناء پر ڈاکٹر فضل الرحمٰن قومی زبان میں فکر کے ارتقاء اور اس کی اشاعت ضروری سمجھتے تھے۔ کیونکہ اس کے بعد ان کی اردو تحریروں کے موضوعات اور مقاصد کو سمجھنا آسان ہو جائے گا۔

پاکستان کے لوگوں کے اتحاد کے لیے ایک قومی زبان کی ضرورت اور اردو کی طرف اس سلسلے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے جھکاؤ کا ذکر اوپر آچکا ہے اور غالباً یہی پہلا سبب ہے ان کی اردو نویسی کا۔ لیکن ساتھ ہی ہم نے یہ بھی دیکھا کہ وہ نظام تعلیم میں فکرِ خالص کی نشو و نما کے حوالے سے بھی ایک اعلیٰ نثری زبان کے فروغ کے خواہش مند تھے اور اس سلسلے میں ان کا یہ کہنا تھا کہ اب سنجیدہ فکری اور تحقیقی کام اردو میں ہونا چاہیے اور چونکہ وہ بلاشبہ مسلم مفکرین و محققین کے زمرے میں آتے تھے اس لیے اپنے اس مندرجہ بالا بیان کے بعد وہ اس بات کے منطقی اور اخلاقی طور پر پابند ہو جاتے ہیں کہ وہ اردو کے فکری اور تحقیقی سرمائے میں اضافے کے لیے عملی کوششیں کرتے۔

ہمارے نزدیک ان کی اردو تحریروں کی ایک بنیادی وجہ اسلامی قانون سازی کے حوالے سے ان کی فکر میں پوشیدہ ہے، چنانچہ اس ضمن میں ان کے ان خیالات کی نشاندہی اہم ہوگی جو وہ موجودہ دور میں اسلامی قانون سازی کے طریقے کے بارے میں رکھتے تھے۔

اسلام کی ابتدائی صدیوں کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ خلفاء راشدین کے دور میں قانون سازی میں صحابہ کرام سے مشورہ کیا جاتا تھا، 'گویا دوسرے معنوں میں امت من حیث المجموع قانون سازی کرتی تھی'۔(۲۷) چنانچہ ان کا خیال ہے کہ اس نظام کو ہم ''دستوریت'' کا نام دے سکتے ہیں۔ گویا ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا مقصد یہاں بتدریج اس نظام کے ڈانڈوں کو جمہوریت سے ملانا تھا۔

اسلامی تاریخ کے درمیانی عرصے میں اس ابتدائی جمہوریت اور اجماع کی جو صورت حال رہی(۲۸) طوالت سے بچنے کے لیے اس سے صرف نظر کرتے ہوئے ہم موجودہ دور پر آتے ہیں۔ ان کی تحریروں سے یہ اقتباس دیکھیے:

> اجماع کی یہی صورت اب بھی ہونا چاہیے بشرطیکہ اجتہاد کی صلاحیت رکھنے والے کافی تعداد میں لوگ مل جائیں۔ موجودہ زمانے میں تو قرآن و سنت کی تعلیمات کے تحت رائے عامہ پیدا کرنے کے ذرائع بڑے وسیع ہیں جیسے کہ عمومی تعلیمی نظام، پریس اور ریڈیو وغیرہ(۲۹)

اس سلسلے میں قومی اسمبلی کے کردار کے حوالے سے ان کا کہنا ہے کہ اس کی آراء کو اجماع کا درجہ نہیں دیا جا سکتا بلکہ 'اجماع کی یہ صورت قانون ساز اسمبلیوں کے باہر مختلف مکاتب فکر میں اور عام پبلک میں افکار و آراء پر آزادانہ بحث و مباحثے کے ذریعے پیدا ہونی چاہیے'۔(۳۰)

ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا کہنا ہے کہ اسمبلیوں کا کام اجماع کرنا نہیں بلکہ وہ رائے عامہ کی اجماعی صورت کی مظہر اور آئینہ دار ہیں۔ متنازعہ فیہ مسائل 'جن کے متعلق شک ہو کہ آیا وہ اسلام کی روح یعنی قرآن و سنت کے منشاء کے مطابق ہیں یا نہیں ان کے بارے میں رائے عامہ سے استصواب کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جائے۔(۳۱) ان امور میں آخری وحتمی فیصلہ نہ تو سپریم کورٹ کرسکتی ہے نہ علماء کی کوئی کونسل۔(۳۲)

اس طویل بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک مجتہد کی حیثیت سے ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے لیے یہ از بس ضروری تھا کہ وہ اپنے خیالات کو عوام الناس تک پہنچائیں ان کی یہ رائے ہم نقل کر چکے ہیں کہ اس باب میں ابلاغ عامہ کے ذرائع نہایت ہی موزوں تھے۔ خاص طور پر تحریری ذرائع ابلاغ کا شعبہ جس سے کام لینے کے لیے اردو میں آراء کا اظہار ضروری تھا۔

اس سے منسلک ایک اور سبب بھی ہمیں نظر آتا ہے۔ دراصل ڈاکٹر فضل الرحمٰن اس نظریے کے علمبردار تھے کہ فکری سطح کے حوالے سے ہمیں لوگوں کی درجہ بندی نہیں کرنی چاہیے۔ مقصد یہ کہ ہمیں عوام الناس کے بارے میں یہ رائے نہیں رکھنی چاہیے کہ وہ سنجیدہ مذہبی مسائل کو سمجھنے کے اہل نہیں اور یہ کہ کچھ علوم و افکار چند خاص لوگوں کے لیے مخصوص ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ اسلام کا شعار نہیں بلکہ ہندومت میں ہمیں اس کی مثال طبقاتی تقسیم، ذات پات کے نظام اور برہمنی برتری میں ملتی ہے جب کہ اسلام اس قسم کے خیالات کی نفی اور ضد ہے۔

یہی خواص و عوام کی تقسیم ہے جس کی بناء پر ہم نے اوپر کی شکایت کا مشاہدہ کیا جو ان کو اقبال سے ہے کہ وہ زیادہ سنجیدہ اور گہرے مذہبی فکری خیالات کے اظہار کے لیے انگریزی کو منتخب کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ کئی مقامات پر غزالی کے ہاں بھی اس قسم کے رجحان پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں، جیسا کہ ان کا بیان ہے:

> بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ ''دقیق'' فکری مسائل کو عوام الناس کے لیے نہ تو تحریر کرنا چاہیے اور نہ ہی ان کے آگے بیان کرنا چاہیے کیونکہ ''عام آدمی'' میں ان کو سمجھنے اور ان کی قدر کرنے کی ذہنی صلاحیت نہیں ہوتی چنانچہ وہ الجھن کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہ ایک خطرناک دلیل ہے اور معاشرے میں منافقت کی افزائش کی براہ راست ذمہ دار۔ گزرے وقتوں میں جب پریس کا وجود نہ تھا بعض نامور مسلمانوں (مثلا الغزالی) نے ایسی کتابیں تصنیف کیں جو عوام میں اشاعت کے لیے نہ تھیں بلکہ دانشوروں اور خواص کے حلقے کے لیے تھیں۔ آیا اس وقت یہ عمل درست تھا کہ نہیں بہر صورت یہ آج کے وقتوں میں قابل قبول نہیں، یہاں تک کہ اخلاقی سطح پر بھی میں نہیں سمجھتا کہ اس طرح کا رویہ جائز ہے۔(۳۳)

وہ مزید کہتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام ایک جمہوری مذہب ہے اس نے برہمن اور دانشور طبقے کی مخصوص مراعات اور دعووں کا خاتمہ کیا۔ اس کی تعلیمات صرف دانشوروں کے لیے نہیں بلکہ بنی نوع انسان کے لیے ہیں۔ اگر کوئی کسی سچائی کا قائل ہے تو یہ اس کا فرض ہے کہ وہ اس کا آزادانہ اظہار کرے۔(۳۴)

اگر ان کے آخری جملے کو پیش نظر رکھیں تو پھر جو سچ انہوں نے مذہب کے حوالے سے پایا تھا اس کو کھلے عام کہنے کے لیے اور عام لوگوں تک پہنچانے کے لیے عوام الناس کی زبان میں اس کا بیان بھی لازم آتا ہے اور غالباً اسی وجہ سے انہوں نے اردو میں مضامین لکھے ہونگے۔

ایک اور سبب جو کہ براہ راست نہیں اور دراصل سببِ معکوس ہے ان کی اردو کی تحریروں کا وہ یہ کہ جب سے ان کی اردو کی تحریریں سامنے آنا شروع ہوئیں علماء کا ان پر اعتراض اور تنقید کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور پھر یہ بحث و نزاع ان کی مزید اردو تحریروں کا سبب بنی اور بعض اوقات صورت حال مناظرانہ اور مجادلانہ انداز اختیار کر گئی۔ ان کے اردو مضامین کی فہرست کی ورق گردانی سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ اکثر اوقات ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے اردو میں مضامین اس لیے بھی شائع کئے کہ مخالفین کی تنقید اور طنز و تشنیع نے انہیں مجبور کیا کہ وہ بھی جواب میں کچھ تحریر کریں، بلکہ بعض اوقات خود ان کے مذہبی مخالفین نے اس بات پر اصرار کیا کہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن ان کے اعتراضات کا جواب دیں۔

ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی نمائندہ اردو تحریریں:

ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی اردو تحریروں کی فہرست پیش کرنے سے پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ یہ ان کی تحریروں کی ایک مکمل فہرست نہیں ہے بلکہ نمائندہ مضامین پر مشتمل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ علماء سے مناظروں اور مباحثوں کے حوالے سے ان کو کثرت سے لکھنا پڑا اور اکثر فکر ونظر کے ایک ہی شمارے میں ان کے کئی مضامین اور بیانات شائع ہوتے رہے۔ ان سب کا یہاں پیش کرنا تکرار و طوالت کا سبب ہو گا اور شاید یہ اتنی اہمیت کا حامل بھی نہ ہو اس لیے اس نوعیت کے صرف چند نمائندہ مضامین منتخب کر لئے گئے ہیں۔ پیش نظر رہے کہ اس فہرست میں ان کے انگریزی مضامین کے تراجم شامل نہیں ہیں:

☆ ''اسلامی حکومت اور قانون سازی''، چراغ راہ: نظریۂ پاکستان نمبر، جلد ۱۴، شمارہ ۱۲ (دسمبر ۱۹۶۰ء): ۳۹۰-۳۹۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

☆ ''تحقیق ربٰو''، فکرونظر، جلد۔۱، شمارہ۔۵ (نومبر۱۹۶۳ء): ۹۲۔۱۰۰

☆ ''توضیحی بیان''، فکرونظر، جلد۔۱،شمارہ۔۷،۸ (جنوری۔فروری ۱۹۶۴ء): ۷۰-۷۲

☆ ''قانونی اساس کے لحاظ سے قرآن کریم کی ابدیت''، فکرونظر، جلد۔۱، شمارہ۔۷،۸ (جنوری۔فروری ۱۹۶۴ء): ۷۳-۷۹

☆ ''اقبال کے فلسفہء خیر و شر پر ایک لمحۂ تفکر''، فکرونظر، جلد۔۱، شمارہ۔۱۱ (مئی ۱۹۶۴ء): ۹-۱۲

☆ ''محترم پرویز صاحب کی خدمت میں ایک گزارش''، فکرونظر، جلد۔۱، شمارہ۔۱۱(مئی ۱۹۶۴ء): ۶۰-۶۱

☆ ''اسلام اور پاکستان کی سالمیت''، فکرونظر، جلد۔۲،شمارہ۔۲(اگست ۱۹۶۴ء):۸۹-۹۳

☆ ''پیام انقلاب''، فکرونظر، جلد۔۲، شمارہ۔۴ (اکتوبر ۱۹۶۴ء): ۲۶۲-۲۶۷

☆ ''محترم دریا آبادی کے نام''، فکرونظر، جلد۔۲، شمارہ۔۴ (اکتوبر ۱۹۶۴ء): ۲۷۵-۲۸۰

☆ ''اردو کا اسلامی ادب''، فکرونظر، جلد۔۲، شمارہ۔۷ (جنوری ۱۹۶۵ء): ۴۰۸-۴۱۴

☆ ''سنت، اجماع اور مستشرقین: ایک سوالنامہ کا جواب''، فکرونظر، جلد۔۲، شمارہ۔۸ (فروری ۱۹۶۵ء): ۵۰۸-۵۲۱

☆ ''اسلامی ثقافت کیا ہے؟''، فکرونظر، جلد۔۲، شمارہ۔۱۲ (جون ۱۹۶۵ء): ۷۷۹-۷۸۸

☆ ''ہماری اخلاقی پستی کے اسباب اور اس کا علاج''، فکرونظر، جلد۔۳، شمارہ۔۲ (اگست ۱۹۶۵ء): ۱۳۰-۱۳۴

اس فہرست پر نگاہ ڈالی جائے تو چند نکات فوری طور پر ذہن میں آتے ہیں۔ فہرست میں درج پہلا مضمون اب تک ہمیں دستیاب اردو مضامین میں واحد مضمون ہے جوفکر ونظر کے علاوہ کسی اور رسالے میں شائع ہوا۔اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے ادارہ تحقیقاتِ اسلامی سے منسلک ہونے سے قبل ہی اردو میں مضامین لکھنا شروع کر دیے تھے۔

اگر فہرست میں درج دوسرے مضمون کو دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے انتہائی دقیق تحقیقی مضمون اردو میں تحریر کیئے۔ ''تحقیق ربٰو '' پر مضمون انہوں نے پہلے اردو میں تحریر کیا اور پھر اس کا انگریزی ترجمہ شائع ہوا۔اس کی نشاندہی انگریزی مضمون، جو ادارہ تحقیقاتِ اسلامی سے شائع ہونے والے رسالے *Islamic Studies* میں مارچ ۱۹۶۴ء میں شائع ہوا، اس کے مدیر نے کی ہے۔

اسی طرح فہرست میں درج تیسرے اور دیگر کئی مضامین کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے ہم عصر پاکستانی مفکرین اور علماء کے ساتھ بحث و مباحث کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ کسی مضمون میں ان کو اپنی فکر کے کسی نقطے کی وضاحت کرنی پڑ رہی تھی تو کسی میں ان کی تحریروں پر تنقید یا ان پر اٹھائے گئے سوالات کا جواب دینا پڑتا تھا اور کہیں وہ خود دوسروں کی تحریروں پر سوالات اٹھا رہے تھے۔ گویا بحث و مباحثہ کا دو طرفہ سلسلہ جاری تھا، جو صرف ان کی اردو تحریروں کا ہی خاصہ تھا۔

اس کے علاوہ وہ چند مضامین جو خاص طور پر عامۃ الناس سے مخاطب ہو کر تحریر کئے گئے تھے۔ ان کا مقصود غالباً عوام میں جذبہ وطنی اور حکومت کی پالیسوں اور اقدامات کی جانب ایک مثبت رویہ پیدا کرنا تھا۔

جیسا کہ گذشتہ کسی حاشیہ میں بیان کیا گیا کہ فضل الرحمٰن کئی انگریزی مضامین اقبال کی فکر کے مختلف پہلوؤں پر لکھ چکے تھے، فکر اقبال کی اسی اہمیت کے پیش نظر اقبال ان کی اردو کی تحریروں میں بھی جگہ پاتے ہیں۔ ایک اور بات جو ان کی اردو تحریروں کے سلسلہ میں محسوس کی گئی وہ یہ کہ وقت کے ساتھ ساتھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کا اردو میں تحریر کا سلسلہ کم ہوتا چلا گیا۔ اگرچہ ۱۹۶۷ء میں ان کی پاکستان میں متنازعہ کتاب اسلام کے ابتدائی ابواب کے تراجم فکر ونظر میں شائع ہوئے مگر ۱۹۶۸ء میں ان کی بہت کم اردو تحریریں ہمیں فکر ونظر میں نظر آتی ہیں۔ غالباً اس کی جڑیں اس وقت کے پاکستان کی سیاسی تاریخ میں پیوستہ ہیں جس کی وضاحت آگے آئے گی۔

ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی اردو تحریروں سے چند اقتباسات:

ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی اردو کی تحریروں کے مطالعہ کے بعد جو عمومی پہلو سامنے آتے ہیں وہ یہ کہ:

۱۔ ان کو اردو پر مکمل دسترس تھی۔

۲۔ ان کی تحریریں اردو انشاء پردازی کے اعلیٰ معیارات کو چھوتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔

۳۔ معیاری اردو نثر نگاری کی طرح ان کی تحریروں میں بھی اردو اور فارسی کے اشعار سے تزئین و آرائش کی گئی ہے۔ اگرچہ ان اشعار کا بنیادی مقصد اپنی فکر کے کسی حصے پر خاص زور دینے کی نیت سے ہوتا ہے۔

۴۔ وہ دقیق اور عمیق مسائل کو نہایت خوبی اور آسانی کے ساتھ بیان کر دیتے ہیں۔

۵۔ بعض مقامات پر ان کا انداز بحث عقلی حدود سے نکل کر جذباتیت کی حدود میں داخل ہو جاتا ہے جو بہت مؤثر کن معلوم ہوتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۶۔ مذہبی علماء سے بحث کے دوران بعض مقامات پر ان کا انداز بیان عالمانہ سے زیادہ مناظرانہ ہو گیا ہے نتیجۃً ان کے اور عام مذہبی رسالوں کے طرز بیان میں بہت کم فرق رہ جاتا ہے۔

۷۔ ان کے مضامین و مقالات پڑھتے ہوئے یہ بات بھی اکثر محسوس ہوتی ہے کہ مذہبی رہنماؤں سے مخاطب ہوتے وقت وہ طویل اقتباسات عربی سے نقل کرتے ہیں دوسرے یہ کہ عام قاری کے لیے، جو عربی زبان سے واقف نہ ہو، تراجم پیش کرنا ضروری نہیں محسوس کرتے۔ اس سے ابلاغ کا راستہ یقیناً رک جاتا ہے۔

۸۔ جدید مناہج تحقیق کے برخلاف ان کی اردو تحریروں میں حواشی اور حوالے بہت کم ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان کی انگریزی کی تحریروں میں بھی ان کا زیادہ اہتمام نظر نہیں آتا، مگر اردو میں تو یہ تقریباً نہ ہونے کے برابر ہیں۔

۹۔ وہ اکثر اپنے مضامین کا اختتام کسی شعر پر یا قرآن کی کسی آیت یا پھر عربی کے کسی جملے پر کرتے ہیں۔ اشعار میں دیگر شعراء کے علاوہ اکثر ان کا انتخاب اقبال کے اشعار ہوتے ہیں۔

متذکرہ عمومی پہلوؤں کی نشاندہی کے بعد اب پیش خدمت ہیں ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی تحریروں سے چند اقتباسات۔ جو ان کے فکری رجحانات علمی روش اور بعض سنجیدہ دینی مسائل پر ان کی فکر کے آئینہ دار ہیں۔

مسئلہ ربوٰ:

اپنے مضمون ''تحقیق ربوٰ'' کے آغاز میں وہ تحریر کرتے ہیں:

> فارسی زبان کا لفظ ''سود'' قرآنی اصطلاح ''ربوٰ'' کا مترادف نہیں ہے۔ اس فارسی لفظ کے لغوی معنی ''نفع'' ہیں۔ جس کی ضد ''زیاں'' ہے۔ اور جس کا عربی مترادف ''ربح'' ہے۔ اس مقالے میں ''ربوٰ'' کی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن قرآن کے اصطلاحی ربوٰ کا اردو، فارسی یا کسی اور عجمی زبان میں ترجمہ کرنا راقم الحروف کے نزدیک نہ صرف سعی لاحاصل ہے بلکہ بنائے باطل بھی۔(۳۵)

گویا کہ لفظ ''ربوٰ'' کی جڑ تک جا کر ڈاکٹر فضل الرحمٰن اس کے معنی کا ازسرنو تعین کرنا چاہتے ہیں۔

فلسفۂ خیر و شر

ان کی سنجیدگئی فکر کی ایک اور مثال ان کا وہ مضمون ہے جو انہوں نے ''اقبال کے فلسفہ خیر و شر پر ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لمحہ تفکر‘‘ کے عنوان سے تحریر کیا۔ جیسا کہ عنوان سے ہی ظاہر ہے کہ یہ مضمون مذہبی افہام کے ساتھ سنجیدہ فلسفیانہ بحث لئے ہوئے ہے۔ مضمون کے آغاز میں وہ کہتے ہیں:

> اقبال کے نزدیک حقیقت کی سب سے بنیادی خصوصیت اس کا مسلسل پھیلاؤ ہے۔ زندگی کا سب سے نمایاں پہلو اس کا لامتناہی طور پر بڑھنا، پھلنا اور پھولنا ہے۔ یہ نمو کی دائمی حرکت مقصدیت سے خالی نہیں ہوتی۔ بلکہ خود اس حرکت کے اندر مقصدیت جنم لیتی ہے۔ کہیں باہر سے اس حرکت پر چسپاں نہیں کی جاتی۔ آج ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ زندگی کی یہ بنیادی حرکت یکطرفہ نہیں بلکہ دو عناصر میں تصادم کا نتیجہ ہوتی ہے۔ یہ حرکتِ نمو ایسی آسانی سے آگے کی طرف نہیں بڑھ جاتی بلکہ ہر لمحہ اور ہر قدم پر اس کو معرکہ آرائی کرنا پڑتی ہے۔(۳۶)

اقبال کی فکر کے اس دھارے کو قرآنی پیغام سے بڑی خوبی کے ساتھ ڈاکٹر فضل الرحمٰن اس طرح جوڑتے ہیں:

> لیکن شاید اقبال کے جبریل و ابلیس کو ایک شاعر اور سیکولر فکر کی پروازِ خیال سمجھیں۔ تو آیئے ذرا ایک لمحہ قرآن کے اوراق الٹ کر دیکھیں۔ یہ وحیِ آسمانی ہمیں اس مسئلے کے متعلق کیا بتاتی ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ جب اللہ نے حضرتِ انسان کی تخلیق کا ارادہ کیا تو فرشتوں کا وفد خدا کے پاس گیا اور عرض کیا کہ اے رب! تو ایسی مخلوق پیدا کر رہا ہے جو زمین پر فساد مچائے گی اور خونریزی کرے گی اور ہم تو تیری حمد کے گیت گاتے رہتے ہیں اور تیری تقدیس کرتے ہیں۔ یعنی تیرا ہر حکم بجا لاتے ہیں پھر اس مخلوق کے پیدا کرنے کا کیا مطلب؟ [آگے عربی متنِ قرآن] خدا نے فرمایا میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔(۳۷)

اُردو میں ان کی تحریروں کا بڑا حصہ اصلاحی مقاصد کا غمّاز ہے اور وہ پاکستانی تناظر میں، جیسا کہ پہلے ذکر ہوا، عوام کو مخاطب کر کے تحریر کیا گیا ہے۔ جس میں پاکستان اور اس کی عوام کے حالات پر ان کی درد مندی اور دل سوزی کا اظہار ہے، چنانچہ ان میں جذباتیت کا رنگ بھی نمایاں ہے۔ اس کی مثالیں ان کے دو مضامین ’’پیامِ انقلاب‘‘ اور ’’اسلام اور پاکستان کی سالمیت‘‘ میں نظر آتی ہیں۔ ’’پیامِ انقلاب‘‘ کے آغاز میں وہ تحریر کرتے ہیں:

> انقلاب اکتوبر ۱۹۵۸ (۳۸) کو ہمارے مخالف ہمسایوں [ہندوستان] نے بھی ’’ایک صحت مند علامت‘‘ تسلیم کیا ہے...... یہ غیر ضروری بلکہ تکلیف دہ ہوگا کہ اس طویل بے سروپا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیاسی شعبدہ بازی کا جائزہ لیا جائے جو اس دور سے پہلے دنیا کے سامنے پیش کی جاتی رہی ہے۔ اور جس کا نتیجہ اندورن خانہ انتشار اور بدنظمی کی صورت میں برآمد ہوا اور باہر کی دنیا میں ہمارا وقار روزبروز گرتا گیا۔ اس انقلاب اور اس سے پیدا شدہ سیاسی استحکام کے ثمرات حقیقتاً بہت زیادہ ہیں اور توقعات اس سے بھی قوی تر ہیں۔ بشرطیکہ یہ سیاسی استحکام جاری رہے۔(۳۹)

یہ طرز فکر اور یہ طرز بحث ہمیں اس رائے کے اظہار پر بھی مجبور کرتا ہے کہ وہ جذباتی رو میں بہہ کر نہ صرف یہ کہ سنجیدہ محقق کے معیار کے برخلاف اس انقلاب کے منفی اثرات سے چشم پوشی کرتے ہیں بلکہ گذشتہ حکومتوں کے ادوار کا محققانہ تجزیہ کیے بغیر ان کو ایک برائی محض قرار دیتے ہوئے مکمل طور پر رد کر دیتے ہیں۔ حقیقی انقلاب کے حوالے سے شاعر مشرق کے مندرجہ ذیل اشعار کا بھی حوالہ دیتے ہیں۔

جس میں نہ ہو انقلاب، موت ہے وہ زندگی
روحِ امم کی حیات، کشمکشِ انقلاب
صورتِ شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں، اپنے عمل کا حساب (۴۰)

ایک اور جگہ وہ لکھتے ہیں کہ:

اکثر پاکستانی یہ محسوس کرتے ہیں کہ صرف اسلام اور اس کے نمو پذیر فلسفے کے ذریعے ہی وہ صحیح راستہ متعین کیا جاسکتا ہے جو پاکستان کے مختلف حصوں اور اس کے باشندوں کو ایک سالم، مربوط اور پر اُمید قوم بنا دے گا۔ ان کے نزدیک یہ طریقہ سب سے اچھا اور قابل اعتماد ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہم میں سے بیشتر لوگ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ قومی یکجہتی کے اقدار کو حاصل کرنے کے لیے یہی بہترین بلکہ واحد طریقہ ہے۔ جب ہم اپنے فکروعمل کی بنیاد اسلامی نظریات پر رکھیں گے تو وقت گذرنے کے ساتھ ثقافت کی ایک عظیم عمارت بنتی جائے گی۔(۴۱)

مندرجہ بالا اقتباس میں ایک عام پاکستانی کی طرح ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی خیالی خواہشات کی جھلک نظر آتی ہے۔ اس مضمون کا اختتام وہ ان کلمات پر کرتے ہیں:

پاکستان کی سالمیت اور یکجہتی سب سے زیادہ ضروری ہے اور ہم اسلامی نظریات کی صحیح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترجمانی ہی کے ذریعے اس مقصد کو حاصل کر سکتے ہیں۔ منفی اسلام یا محدود، اقل اسلام سے نہ تو یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے اور نہ ہی اسے ہم صحیح اسلام کہہ سکتے ہیں۔ صرف ایک سالم اسلام ہی ایک سالم پاکستان کی ضمانت دے سکتا ہے۔(۴۲)

مذہبی علماء کے ساتھ بحث و نزاع کے حوالے سے جو تحریریں ہیں ان سے ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے اندازِ بیان کا ایک اور منفرد رخ ہمارے سامنے آتا ہے۔ اس سلسلے کی چند مثالیں ان کے مضامین (ا)توضیحی بیان (ب)محترم پرویز صاحب کی خدمت میں ایک گذارش(ج)محترم دریا آبادی کے نام، اور (د)سنت، اجماع اور مستشرقین وغیرہ ہیں۔

یہاں یہ بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا اگر کسی ایک دینی مدرسے کے علماء اور ان کی تحریروں کے ساتھ مسلسل بحث و مباحثہ ہوا تو وہ ہیں مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیو ٹاؤن کراچی کے علماء اور رسالہ بینات میں شائع شدہ تحریریں۔ مدرسے کی دو سربرآوردہ شخصیتوں، مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور مولانا یوسف بنوری نے ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی تحریروں کو ابتداء ہی سے بڑی سنجیدگی سے لیا اور مسئلہ ربوٰ سے لے کر بعد میں زیر بحث آنے والے تمام مسائل پر ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی فکر پر گرفت کی۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے بھی جواباً ان علماء کی تنقید و آراء کو سنجیدگی سے لیا اور اپنے مضامین کے ذریعے کوشش کی کہ ان سے کچھ افہام و تفہیم کی صورت نکل آئے۔ مگر ان کی بعد کی تحریروں سے لگتا ہے کہ کوئی خاطرخواہ اور امید افزا نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ چنانچہ ان کے زیادہ تر مناظرانہ مضامین بینات اور اس کے مدیر اور مصنف سے مخاطب ہو کر تحریر کیے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل اقتباس ایک بہترین مثال قرار پائے گا جس میں انہوں نے اپنے مضمون ''سنت و حدیث''(۴۳) کے بعض خیالات پر ماہنامہ بینات کے مدیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی کے اٹھائے گئے سوالات کی وضاحت میں اپنا زاویہ نظر پیش کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> آپ کا گرامی نامہ اور طویل سوالنامہ حسبِ ارشادفکرونظر میں شائع ہو گئے ہیں۔ آپ کے سوالوں کا جواب حاضر ہے۔ امید ہے اس سے غلط فہمیوں کا ازالہ ممکن ہو گا۔ لیکن جواب عرض کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی اور آپ کے ماہنامہ ''بینات'' کے ادارے کی خدمت میں ایک گزارش کروں۔ میرے مخدوم! افہام و تفہیم کے لیے بنیادی شرط یہ ہوتی ہے کہ ایک دوسرے کی بات سننے اور سمجھنے کے لیے سازگار فضا ہو تاکہ ٹھنڈے دل سے اس پر غور ہو سکے، لیکن ماہنامہ ''بینات'' کے، جس کے آپ مدیر ''مسئول'' ہیں، دو شماروں (دسمبر ۱۹۶۴-جنوری ۱۹۶۵ء) میں جس قسم کے غیض و غضب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور عناد و منافرت کا مظاہرہ کیا گیا ہے، اسے پڑھ کر میری ہمت تو نہیں ہوتی تھی کہ آپ کے سوالات کا جواب دوں، لیکن آپ کا چونکہ شدید اصرار ہے، اس لیے تعمیل ارشاد کر رہا ہوں۔(۴۴)

مزید آگے چل کر وہ تحریر کرتے ہیں:

جب آپ جیسے بلند مرتبت بزرگ ایک علمی بحث میں اس سطح پر اتر آئیں اور اختلاف رائے کے لیے ''کفر''، ''الحاد''، اور ''زندقہ'' کے سوا آپ حضرات کو اور کوئی الفاظ نہ ملیں، تو پھر کہاں کا افہام وتفہیم اور کہاں آپ اپنے مشتعل جذبات اور شرربار طبیعت کو قابو میں رکھ کر میری معروضات ٹھنڈے دل سے سنیں گے۔(۴۵)

اس مناظرانہ انداز میں مزید تیزی پیدا ہوتی ہے اور اگلی سطور میں وہ تحریر کرتے ہیں:

مولانامکرم! آج سے کوئی ۸۰ سال قبل مولانا حالی جیسے حلیم الطبع اور بردبار شخص نے انتہائی دلی درد وکرب میں اپنے زمانے کے علماء کی سخت گیری اور تلخی کی یوں شکایت کی تھی:

بڑھے جس سے نفرت وہ تقریر کرنا
جگر جس سے شق ہو وہ تحریر کرنا
گنہگار بندوں کی تحقیر کرنا
مسلمان بھائی کی تکفیر کرنا
یہ ہے عالموں کا ہمارے طریقہ
یہ ہے ہادیوں کا ہمارے سلیقہ
کوئی مسئلہ پوچھنے ان سے جائے
تو گردن پہ بارِ گراں لے کے آئے
اگر بدنصیبی سے شک اس میں لائے
تو قطعی خطاب اہلِ دوزخ کا پائے
اگر اعتراض اس کی نکلا زباں سے
تو آنا سلامت ہے دشوار واں سے

ڈاکٹر فضل الرحمٰن لکھتے ہیں:

افسوس ہے اتنی طویل مدت گزرنے کے بعد بھی آپ بزرگوں نے زمانے سے کچھ نہ سیکھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اب بھی آپ کا وہی اندازِ تحریر اور طرز استدلال ہے جس کا نقشہ مولانا حالی نے ''مسدس'' میں کھینچا تھا اور اس پر خون کے آنسو بہائے تھے۔(۴۶)

یہ صرف چند مثالیں ہیں اور ان کی تحریروں کے اندازِ بیاں کے ساتھ یہ چند اقتباسات انصاف نہیں کر سکتے، تاہم طرز استدلال کی نشاندہی ضرور کرتے ہیں۔

تراجم:

ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی انگریزی تحریروں کے اردو تراجم کی فہرست پیش کرنے سے پہلے اگر ایک نظر تراجم کے بارے میں ان کے خیالات پر بھی ڈال لی جائے تو مفید رہے گا۔ وہ کہتے ہیں 'واقعہ یہ ہے کہ ایک زبان کی نشوونما اور ترقی میں ترجمے کے عمل کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔'(۴۷) برصغیر میں اردو میں دیگر زبانوں کی کتابوں کے تراجم کا ذکر کرتے ہوئے وہ حیدرآباد دکن کے حصے کا خاص طور پر ذکر کرتے ہیں۔ ساتھ ہی لغات کے سلسلے میں مولانا عبدالحق کے کردار کو سراہتے ہیں۔ پاکستان بننے کے بعد اس علاقے میں ترجموں کا جو کام ہوا اس کا ذکر کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں:

> پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد ترجموں میں معتدبہ اضافہ ہوا۔ لیکن یہاں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ جدید علوم سے ترجمے کا کام ابھی کافی حد تک تشنۂ تکمیل ہے اور بالخصوص فکرِ خالص کی سطح پر تو یہ کام تقریباً مفقود ہے۔(۴۸)

مگر ان کو یہ احساس بھی ہے کہ 'ہمیں اس بات کو نہیں بھولنا چاہیے کہ زبان کی تخلیق کا کام کوئی ایسا کام نہیں جو صرف ایک دونسلوں میں انجام پائے۔ عربی زبان کو فکرِ خالص میں تخلیقی عمل تک پہنچنے کے لیے کوئی تین صدیاں لگ گئیں تھیں۔'(۴۹) اس سلسلے میں وہ مزید کہتے ہیں کہ:

> جب عربوں نے یونان کے ذخیرۂ علم کو عربی میں منتقل کرنا شروع کیا تو انہوں نے روز اول ہی سے نہ صرف سائنسی اور فنی علوم مثلاً طب، ریاضی اور ہندسہ وغیرہ کی طرف توجہ کی، بلکہ یونانیوں کے فکرِ خالص کے نتائج یعنی ارسطو اور افلاطون کے فلسفے کو بھی عربی میں منتقل کرنے کی بنیاد رکھی۔ اسی طرح جب لاطینی مغرب نے مسلمانوں کے علوم کو اخذ کیا تو اس نے طب اور دیگر طبعی علوم کے علاوہ مسلمانوں کے فکرِ خالص کو بھی ابتداء ہی سے لاطینی میں منتقل کرنا شروع کیا۔ بلکہ ابن سینا کے فلسفے کا ترجمہ اس کی طبی علوم پر مشتمل کتاب ''قانون'' سے پہلے کیا گیا۔(۵۰)

چنانچہ ہم دیکھیں گے کہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی خالص فکری تحریریں جو انہوں نے فکرونظر کے اجراء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے پہلے *Islamic Studies* میں شائع کی تھیں تقریباً تمام کی تمام ترجمہ ہو کر *فکرونظر* میں شائع ہوئیں۔ دو بڑے فکری کام جن کی وجہ سے مغرب میں ان کو پذیرائی ملی، یعنی Islamic Methodology in History اور Islam ان میں سے پہلی کتاب *Islamic Studies* میں ان کے لکھے گئے سلسلہ مضامین، جن کی تعداد چار تھی، میں ایک نئے مضمون کا اضافہ کر کے مرتب کی گئی۔ یہ انتہائی سنجیدہ نوعیت کا کام ہے جو دراصل اسلامی قانونی مآخذ کے بارے میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی تحقیق اور ان کے نقطہ نظر کے مطابق اسلامی تاریخ میں ان مآخذ کے ارتقاء سے عبارت ہے۔ اس کے پانچوں ابواب کے ترجمے یکے بعد دیگرے سلسلہ وار *فکرونظر* کے پہلے شمارے سے ہی شائع ہونا شروع ہو گئے تھے۔ اسی طرح ان کی کتاب اسلام جو بقول ان کے انہوں نے پاکستان آنے اور ادارہ تحقیقاتِ اسلامی میں ملازمت اختیار کرنے سے بہت پہلے ۱۹۵۸ء ہی میں تحریر کر لی تھی، مگر جس کی اشاعت برطانیہ سے ۱۹۶۶ء میں ہوئی۔ اس کتاب کو بھی مغرب میں بہت پذیرائی حاصل ہوئی اور آج بھی اسلام پر مغرب کی یونیورسٹیوں کے نصاب کی فہرست مطالعہ میں وہ بالعموم شامل ہوتی ہے۔ اس کتاب کے ابواب کے تراجم بھی ۱۹۶۷ء کے آغاز ہی سے *فکرونظر* میں شائع ہونا شروع ہو گئے۔ (جو جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا شرمندہ اختتام نہیں ہوئے)۔ اس کے علاوہ اس عرصے یعنی ۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۷ء(۵۱) تک جو بھی سنجیدہ فکری کام انہوں نے کیا اس کا ترجمہ *فکرونظر* میں ضرور شائع ہوا۔

ان کے تراجم کے سلسلے میں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ تمام تراجم *فکرونظر* میں ہی شائع ہوئے، سوائے ان کے صحافیوں سے خطاب یا اخبارات کے لیے دیے گئے مضامین یا اخباری بیان جو ان کو اعتراضات کے جواب اور اپنی فکر کی وضاحت میں دینے پڑتے تھے یا پھر کوئی پبلک خطاب جو وہ بحیثیت ادارے کے سربراہ مدعو کیے جانے پر کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ پبلک سرگرمیاں تھیں اور ان کی اشاعت تمام بڑے اردو اور انگریزی اخبارات میں ہوتی تھیں۔ ذیل میں ہم ان کی تحریروں کے تمام تراجم کی ایک فہرست پیش کریں گے:

☆ ''اسلام کے ابتدائی عہد میں سنت، اجماع و اجتہاد کے تصورات''، فکرونظر، جلد۔۱، شمارہ ۱۔۲ (۱۹۶۳ء): ۷-۳۳

☆ ''سنت اور حدیث: تصور سنت پر تفصیلی بحث''، فکرونظر، جلد۔۱، شمارہ ۔۳-۴ (۱۹۶۳ء): ۹-۲۱

☆ ''تحریک حدیث''، فکرونظر، جلد۔۱، شمارہ۔۵ (۱۹۶۳ء): ۷-۲۴

☆ ''حدیث اور اہل سنت و الجماعت''، فکرونظر، جلد۔۱، شمارہ۔۶ (۱۹۶۳ء): ۷-۲۶

☆ ''سنت و حدیث''، فکرونظر، جلد۔۱، شمارہ۔۷ (۱۹۶۴ء): ۱۷-۲۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

☆ ''قرون اولیٰ کے تشکیلی دور کے بعد کا اسلام''، یہ مضمون چھ اقساط میں مختلف ذیلی عنوانات کے تحت فکرونظر کی جلد۱ کے شمارہ نمبر۹، ۱۹۶۴ء سے جلد۲ کے شمارہ ۵-۶، ۱۹۶۴ء تک شائع ہوئے۔

☆ ''معاشرتی تغیر اور سنت اولیٰ''، دو قسطوں میں فکرونظر کی جلد۲، شمارات ۱۰ اور ۱۱ (۱۹۶۵ء): صفحات ۶۰۴-۶۱۲ اور ۶۹۱-۶۹۷

☆ ''قرون متاخرہ میں اجتہاد''، فکرونظر، جلد۳، شمارہ۷ (۱۹۶۶): ۴۶۵-۴۹۱

☆ ''ابن سینا اور راسخ العقیدہ اسلام''، فکرونظر، جلد۳، شمارہ۹-۱۰ (۱۹۶۶ء): ۶۳۵-۶۴۶

☆ ''اسلام پر تجدد پسندی کے اثرات''، فکرونظر، جلد۴، شمارہ، ۱-۲ (۱۹۶۶ء): ۹-۲۸

☆ ''اسلام''، فکرونظر، جلد۵، شمارہ۱ (۱۹۶۷): ۹-۲۰

☆ ''محمد ﷺ''، دو اقساط میں فکرونظر کی جلد۵ شمارات ۲ اور ۳ (۱۹۶۶ء): صفحات ۸۹-۱۰۵ اور ۱۶۹-۱۸۳

☆ ''قرآن مجید''، فکرونظر، جلد۵، شمارہ۴ (۱۹۶۷ء): ۲۴۹-۲۶۸

تراجم کی مندرجہ بالا فہرست پر نظر ڈالیں تو ایک تو اس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ تمام تراجم فکرونظر ہی میں شائع ہوئے۔ دوسری بات یہ کہ یہ ترجمہ شدہ مضامین ان کے اردو کے مضامین سے کافی زیادہ ضخیم ہیں۔ ایک اور بات بھی اہم ہے وہ یہ کہ ان کے اکثر مضامین کے تراجم ادارے کے ایک اسکالر محمد سرور نے کیئے جو فکرونظر کے مدیر بھی تھے۔ ان کے علاوہ ان کے بعض مضامین کے تراجم مظہرالدین صدیقی نے کیئے۔

تبصرہ:

ہم نے اب تک نہ صرف یہ کہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی اردو تحریروں بلکہ اردو زبان کے حوالے سے ان کے خیالات و احساسات کا بھی ذکر کیا، اس کے علاوہ ان اسباب و عوامل کا بھی تفصیلاً ذکر کیا جن کی بناء پر ۱۹۶۰ء کی دہائی میں انہوں نے اردو میں اپنے مضامین اور اپنے انگریزی مضامین کے تراجم شائع کیئے۔ ایک اہم سوال جو ذہن میں آتا ہے وہ یہ کہ ۱۹۶۰ء کی دہائی کے بعد ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی اردو میں تحریروں اور تراجم کی کیا صورتحال رہی۔ شواہد ہمیں بتاتے ہیں کہ نہ صرف یہ کہ پاکستان چھوڑنے کے بعد بلکہ اس سے قبل ہی ان کا وہ جوش جو ابتداء میں اردو (یا کسی قومی زبان) میں فکرِ خالص کی تحریروں سے متعلق تھا وہ باقی نہیں رہا تھا اور پاکستان سے جانے کے بعد تلاشِ بسیار کے باوجود ان کا اردو کا کوئی بھی کام کم از کم ہماری نظروں سے نہیں گزرا جب کہ اس کے برعکس ان کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تحریروں کا ترکی، انڈونیشیا، اور ملائیشیا جیسے اسلامی ممالک میں وہاں کی مقامی زبانوں میں کثرت سے ترجمہ ہوا۔(۵۲) اس صورتحال کے پیشِ نظر ذہن میں مندرجہ ذیل سوالات اٹھتے ہیں:

کیا ایک بار پاکستان چھوڑنے کے بعد ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا رابطہ یہاں سے مکمل طور پر منقطع ہو گیا تھا؟

کیا وقت کے ساتھ وہ بھی اس خیال کے حامی ہو گئے تھے کہ تمام فکر عام آدمی کے سامنے پیش کرنے کی نہیں ہوتی؟

کیا ان کے موضوعاتِ تحریر بدل گئے تھے اور اب وہ ایک عام پاکستانی کی دلچسپی کے نہیں رہے تھے؟

کیا اب پاکستان میں کوئی بھی حکومت، ادارہ اور اخبار یا رسالہ ان کے کام کو اردو میں شائع کرنے میں محتاط تھا اور کوئی خطرہ نہیں مول لینا چاہتا تھا؟

کیا جسمانی فاصلے کی وجہ سے اور اپنی نئی معروضیات کی وجہ سے اب ان کے پاس براہِ راست اردو میں تحریروں کے لئے وقت نہیں رہا تھا؟

ہمارا خیال ہے کہ ان کی اردو تحریروں اور تراجم کے مفقود ہونے میں مندرجہ بالا تمام عوامل، کچھ کم یا زیادہ، کار فرما رہے ہونگے ۔ مثال کے طور پر اگر پہلے سوال کو لیا جائے تو یہ بات مکمل طور پر درست نہیں کہ پاکستان سے ان کا رابطہ بالکل ہی ختم ہو گیا تھا۔ بلکہ اکثر اہم موقعوں پر وہ پاکستان سرکار کو اپنے انگریزی مضامین کے ذریعے مشورے دیتے رہے جو کہ مقتدر رسائل میں شائع ہوئے۔ پاکستان سے ان کی دلچسپی اور جذباتی رابطہ ان کی زندگی کے آخر تک برقرار رہا۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ ۱۹۶۰ء جیسا جوش و ولولہ بعد میں ان کی تحریروں میں نظر نہیں آتا۔

اسی طرح جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ کہیں وہ بھی اس خیال کے حامی تو نہیں ہو گئے تھے کہ تمام خیالات عام آدمی کے سامنے پیش کرنے کے نہیں ہوتے۔ اپنے ایک ۱۹۷۶ء میں شائع ہونے والے مضمون(۵۳) میں وہ بیان کرتے ہیں کہ پاکستان میں مذہبی علماء نے ان کا پیچھا اس وقت سے پکڑا جب سے ان کی تحریریں اردو میں آنا شروع ہوئیں۔ ان کے اردو مضامین کے مطالعہ سے بھی یہ بات سامنے آئی تھی کہ مذہبی موضوعات پر علماء سے بحث کا سلسلہ چل نکلا تھا (ظاہر ہے کہ اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ بیشتر علماء انگریزی زبان سے ناواقف تھے البتہ ہر اُردو تحریر ان کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطالعہ میں آجاتی تھی۔ شاید ان اختلافی معاملات و امور میں اُلجھنے سے گریز کی خاطر انہوں نے مزید کام اُردو میں کرنے سے احتیاط برتی ہو۔

ہمارے خیال میں چوتھی بات کہ پاکستان میں ان کی تحریروں کو اُردو میں چھپوانا اب سیاسی اور مذہبی طور پر خطرناک ہو گیا تھا زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے ان کے اُردو میں خامہ فرسائی سے دست کش ہونے کی۔ کیونکہ یہ ایک عام مشاہدہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہمارے معاشرے مذہبی برداشت اور درگزر کے معاملے میں زیادہ تنگ نظر اور سخت گیر ہوتے گئے ہیں۔

جو کچھ سرمایہ ان کی تحریروں کا اُردو میں موجود ہے اور جو ہماری تاریخ کا نہ مٹنے والا حصہ بن چکا ہے اس کی افادیت اور ضرورت کا گراف آج بھی ان معنوں میں نیچے گرتا نظر نہیں آتا کہ دیکھا جائے تو ہمارے مسائل، جن کے تناظر میں ان کی فکر نے جنم لیا، اس وقت سے اب تک جوں کے توں نہیں تو کافی حد تک وہیں منہ پھاڑے کھڑے ہیں، کسی معقول حل کے منتظر۔ تو پھر کیوں نہ ان کی تحریروں کو تاریخ کے دفینے سے باہر نکال کر اور ذرا سمجھ داری اور برداشت سے کام لے کر اپنے موجودہ مسائل کے حل کے لئے ان سے رہنمائی حاصل کی جائے(۵۴)۔ خاص طور پر اس لئے بھی کہ یہ تجزیے اور تجربے انہوں نے مسائل کے نہایت قریب ہو کر ذاتی طور پر کئے تھے نہ کہ ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر۔

حوالہ و حواشی

۱۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن ستمبر ۱۹۶۸ء میں مذہبی حلقوں کی جانب سے اپنی فکر کی شدید مخالفت کی وجہ سے، بحیثیت ڈائریکٹر ادارہ تحقیقات اسلامی، اپنے منصب سے مستعفی ہو کر امریکہ چلے گئے تھے۔

۲۔ دراصل اس وقت کے ''مغربی پاکستان'' کی، کیونکہ اس وقت تک پاکستان کے دو ٹکڑے نہیں ہوئے تھے۔ جہاں تک مشرقی پاکستان کا تعلق ہے وہاں وہ بنگالی زبان کے خواہاں تھے۔

۳۔ یہاں ان کی تعلیمی فکر کا ذکر صرف اردو کے حوالے سے ہوگا۔ تعلیم پر ان کے خیالات ان کی تقریباً تمام اہم تحریروں کا حصہ رہے ہیں۔

4. Fazlur Rahman, "Quranic Solution of Pakistan's Educational Problems," *Islamic Studies,* Vol.6, No.4 (1967), p-320

5. Fazlur Rahman, "Currents of Religious Thoughts in Pakistan," *Islamic Studies,* Vol. 7, No.1 (March 1968), p-6

6. "Quranic Solution," op.cit., p-322

7. Ibid.

8. Ibid.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

9. Ibid.

۱۰۔ یہاں مقصد نسلی اعتبار سے کسی مخصوص علاقے یا آبادی کے مقابلے میں وسیع طور پر سمجھی اور بولی جانے والی زبان سے ہے، گویا کہ رابطے کی زبان

۱۱۔ اپنے مضمون ''اردو کا اسلامی ادب''، **فکرونظر**، جلد۔۲، شمارہ۔۷ (جنوری ۱۹۶۵)، میں وہ سرسری طور پر بنگالی کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔

12. "Quranic Solution", op.Cit., p-322

۱۳۔ ''اردو کا اسلامی ادب''، ص ۴۰۹

۱۴۔ ایضاً

۱۵۔ ایضاً

۱۶۔ ایضاً، ص۔۴۱۰

۱۷۔ ایضاً

۱۸۔ ایضاً، یہاں وہ اقبال کا ذکر کرتے ہیں مگر ہم اقبال پر ان کے تبصرے کو تھوڑی دیر کے لیے اٹھائے رکھتے ہیں۔

۱۹۔ ایضاً، ص۔۱۱۔۴۱۰

۲۰۔ یہ مضمون انہوں نے ۱۹۶۴ء میں تحریر کیا تھا۔ اس وقت سے اب تک اردو میں تاریخی ادب میں، خاص طور پر تراجم کی صورت میں، گراں بہا اضافہ ہوا ہے۔

۲۱۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے مخصوص طور پر اقبال پر چھ مضامین لکھے اور ان کے دیگر مضامین، خاص طور پر پاک و ہند کی اسلامی فکر پر مضامین، کے بڑے حصے میں اقبال ہی نے نمایاں جگہ پائی۔ اقبال پر ان کے چند مضامین کے عنوانات یہ ہیں:

"Iqbal's Ideas on Progress" in Iqbal Review, 4i (1963) pp-1-4, "Iqbal's Idea of the Muslim" in Islamic Studies, 2, no.4 (1963) pp.439-445, "Iqbal, the Visionary; Jinnah, the technician; and Pakistan, the reality," 1979. etc.

۲۲۔ ''اردو کا اسلامی ادب''، ص ۴۱۳

۲۳۔ ایضاً

۲۴۔ اگرچہ اقبال کی فکر کے بعض پہلوؤں کے حوالے سے ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے خیالات میں وقت کے ساتھ ساتھ نمایاں تبدیلی واقع ہوئی اور آہستہ آہستہ ان کے شکوے شکایت کم یا ختم ہوتے چلے گئے۔ اقبال کے حوالے سے ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے فکری ارتقاء کی جھلک ان کی ان تحریروں میں ملتی ہے جن کا ذکر حوالہ نمبر ۲۱ میں کیا گیا ہے۔

۲۵۔ ''اردو کا اسلامی ادب''، ص۔۴۱۴، یہ اشارہ اقبال کی مشہور انگریزی تصنیف Reconstruction of Religious Thought کی طرف ہے۔

۲۶۔ ایضاً، ص۔۴۱۳

۲۷۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن ''اسلامی حکومت اور قانون سازی''، **فکرونظر**، جلد۔۳، شمارہ۔۳ (ستمبر ۱۹۶۵)، ص۔۲۱۲، ابتدائی طور پر ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے یہ مضمون میکگل یونیورسٹی (کینیڈا) سے رسالہ **چراغ راہ** کے ''نظریہ پاکستان نمبر''،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جلد۔۱۴، شمارہ۔۱۲ (دسمبر ۱۹۶۰): ۳۹۴۔۳۹۰ کے لیے بھیجا تھا جس کو پانچ سال بعد **فکرونظر** نے بعض تبدیلیوں کے ساتھ دوبارہ شائع کیا۔

۲۸۔ یہ جو اسلامی تاریخ کا وسطی دور ہے اس کے بارے میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن مخصوص خیالات رکھتے ہیں جو ان کی انگریزی کی تحریروں میں خاص طور پر جابجا بکھرے ہوئے ہیں۔

۲۹۔ ''اسلامی حکومت اور قانون سازی''، ص ۲۱۶

۳۰۔ ایضاً

۳۱۔ استصوابِ رائے کی اصل صورت کا ذکر ڈاکٹر فضل الرحمٰن نہیں کرتے مگر ان کی تحریروں کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ریفرنڈم چاہتے ہیں۔

۳۲۔ ''اسلامی حکومت اور قانون سازی''، ص ۲۱۶

33. Fazlur Rahman, "Divine Revelation and the Prophet", in Hamdard Islamicus, Vol.1, No.2(1978), p-72

34. Ibid.

۳۵۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن ''تحقیق ربٰو''، **فکرونظر**، جلد۔ ۱، شمارہ۔۵ (نومبر ۱۹۶۳ء): ۵۲

۳۶۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن، ''اقبال کے فلسفہء خیرو شر پر ایک لحہ تفکر''، **فکرونظر**، جلد۔۱، شمارہ۔۱۱ (مئی ۱۹۶۴ء):۹-۱۰

۳۷۔ ایضاً، ص۔ ۱۱

۳۸۔ یہ ذکر ہے جنرل ایوب خان کے اکتوبر ۱۹۵۸ء میں اس وقت کی سیاسی حکومت کو بے دخل کر کے فوجی حکومت قائم کرنے کا۔ یہاں یہ امر بھی دلچسپی کا باعث ہے کہ پاکستان سے ان کے چلے جانے کے بعد جو مضامین پاکستان کے حالات اور اپنے پاکستانی تجربہ کے حوالے سے ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے لکھے ان میں وہ اس واقعہ کو انقلاب کی بجائے فوجی غلبہ (Military Cupe) کہتے ہیں۔

۳۹۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن، ''پیامِ انقلاب''، **فکرونظر**، جلد ۔۲، شمارہ۔ ۴ (اکتوبر ۱۹۶۴ء): ۲۶۲

۴۰۔ ایضاً، ص ۲۶۳

۴۱۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن، ''اسلام اور پاکستان کی سالمیت''، **فکرونظر**، جلد۔۲، شمارہ۔ ۸ (فروری ۱۹۶۵ء) :۸۹

۴۲۔ ایضاً، ص ۹۳۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے منفی اسلام، محدود اسلام اور سالم اسلام کی اصطلاحات کی وضاحت اپنے اس مضمون میں تفصیل سے کی ہے۔ وہ اس مضمون کے اختتام پر قرآن کی ایک آیت عربی میں رقم کرتے ہیں، نہ ترجمہ پیش کرتے ہیں اور نہ آیت نمبر دیتے ہیں۔ یہ وہی انداز ہے جس کا ذکر ہم نے ان کے طرز تحریر پر عمومی تبصرہ کرتے ہوئے کیا۔ یہ آیت ہے سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۰۸ اور جس کا اردو ترجمہ ہے۔

''اے ایمان لانے والو! تم پورے کے پورے اسلام میں آجاؤ''

۴۳۔ یہ مضمون ابتداً ادارے کے انگریزی رسالے *Islamic Studies* کی جلد۔۱، شمارہ۔۲، جون ۱۹۶۲ء کی اشاعت میں بہ عنوان "Sunnah and Hadith" شائع ہوا۔

۴۴۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن، ''سنت، اجماع، اور مستشرقین: ایک سوالنامے کا جواب''، فکرونظر، جلد۔۲، شمارہ۔۸ (فروری ۱۹۶۵ء): ۵۰۸

۴۵۔ ایضاً، ص ۵۰۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۶۔ ایضاً، صفحات ۱۰۔۵۰۹

۴۷۔ ''اردو کا اسلامی ادب''، حوالہ سابقہ، ص ۴۱۱

۴۸۔ ایضاً

۴۹۔ ایضاً، ص ۱۲۔۴۱۱

۵۰۔ ایضاً

۵۱۔ اگرچہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے اپنے عہدے سے استعفیٰ ستمبر ۱۹۶۸ء میں دیا مگر اس سال یا تو اپنی خرابی صحت یا پھر ان کی کتاب پر ہونے ولے علماء کے ردِعمل کی وجہ سے ان کا کوئی بھی اردو کا کام ہمیں نظر نہیں آتا۔

۵۲۔ حال ہی میں ان کی دو کتابوں Islam and Modernity اور The Major themes of the Quran کے اردو تراجم شائع ہوئے ہیں۔

53. "Some Islamic Issues in the Ayyub Khan Era" in Essays on Islamic Civilization: Presented to Niyazi Berkes, ed. Donald P.Little, Leiden: E.J. Brill, 1976. PP. 284-302

۵۴۔ اگرچہ قومی اور بین الاقوامی سطح پر علمی اور مذہبی میدان میں تغیرات کا جو سلسلہ ان کی زندگی کے آخری سالوں میں شروع ہوا تھا وہ شاید کسی اور دیدہ ور کا منتظر ہے، مگر کوئی بھی بعد میں آنے والا ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے چھوڑے ہوئے ورثے سے صرفِ نظر نہیں کر سکتا۔

☆☆☆☆☆

© rasailojaraid.com